

تفہم القرآن اشعراء

(۲)

موسیٰ نے کہا ”پھینکو جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے“

انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے ”فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے“ پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے چھوٹے کمرٹوں کو ٹہرپ کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس پر سائے جادو گر مسجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ ”مان گئے ہم رب الغلیں کو۔ موسیٰ اور ہارون کے رب کو“

یہاں بزرگ چھوڑ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی جب جادو گروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو یکایک وہ بہت سے سانپوں کی شکل میں حضرت موسیٰ کی طرف لپکتی نظر آئیں۔ اس کی تفصیل قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بیان ہو چکی ہے۔ سورہ اعراف میں ہے: فَلَمَّا اَلْفَلَا سَكَّرُوا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاَسْتَرَّهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيمٍ، جب انہوں نے اپنے انچھ پھینکے تو لوگوں کی آنکھوں کو مسح کر دیا، سب کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا، اور بڑا بھاری جادو بنا لائے۔ سورہ طہ میں اُس وقت کا نقشہ یہ لکھنا گیا ہے کہ: فَاِذَا جَا لَهُمْ وَعَصِيْبُهُمْ مَّيْتَلٌ اِلَيْهِمْ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمْ تَسْعٰى فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةٌ مُّوسٰى، یکایک ان کے سحر سے حضرت موسیٰ کو یوں محسوس ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں وڈری چلی آ رہی ہیں اس سے موسیٰ اپنے دل میں ڈر سے لگے۔

یہ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں ان کی طرف سے محض شکست کا اعتراف نہیں تھا کہ کوئی شخص یہ کہہ کر پیچھا پھرتا کہ ایک بڑے جادو گر نے چھوٹے جادو گروں کو نیچا دکھا دیا، بلکہ ان کا مسجدے میں گر کر اللہ رب العلیٰ پر ایمان لے آنا گویا برسر عام ہزایا باشندگان مصر کے سامنے اس بات کا اقرار و اعلان تھا کہ موسیٰ جو کچھ لائے ہیں

فرعون نے کہا، تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضروریہ تمہارا
بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا، ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ پٹوں
مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔

انہوں نے جواب دیا، کچھ پروا نہیں، ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔ اور میں توقع ہے
کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

یہ ہمارے فن کی چیز ہی نہیں ہے، یہ کام تو صرف اللہ رب العالمین ہی کی قدرت سے ہو سکتا ہے۔

تو یہاں چونکہ مسئلہ کلام کی مناسبت سے صرف یہ دکھانا ہے کہ ایک ضدی اور بٹ دھرم آدمی کس طرح
ایک صریح معجزہ دیکھ کر، اور اس کے معجزہ ہونے پر خود جادو گروں کی شہادت سن کر بھی اسے جادو کہے جاتا ہے
اس لیے فرعون کا صرف اتنا ہی فقرہ نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ لیکن سورہ اعراف میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا
گیا ہے کہ فرعون نے بازی ہرتی دیکھ کر فوراً ہی ایک سیاسی سازش کا افسانہ گھڑ لیا۔ اس نے کہا اِنَّ هٰذَا لَكُنْزٌ
مَّكْرُومٌ وَّ فِي الْمَسِيْنَةِ لَخٰوِضٌ جُوْا مِهْنًا اَهْلٰهَا، یہ ایک سازش ہے جو تم لوگوں کو مل کر اس دارالسلطنت میں تباہ
کی ہے تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اس طرح فرعون نے عوام اناس کو یہ یقین دلانے کی کوشش
کی کہ جادو گروں کا یہ ایمان معجزے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ محض ملی جلالت ہے۔ یہاں آنے سے پہلے ان کے اور
موسیٰ کے درمیان معاملہ طے ہو گیا تھا کہ یوں وہ موسیٰ کے مقابلے میں اگر شکست کھائیں گے، اور نتیجے میں جو سیاسی
انقلاب ہو گا اس کے فرسے وہ اور یہ مل کر لڑیں گے۔

لہٰذا یہ خوفناک و حکمی فرعون نے اپنے اس نظریے کو کامیاب کرنے کے لیے دی کہ جادو گروں کو اصل موسیٰ علیہ السلام
کے ساتھ سازش کے آئے ہیں۔ اس کے پیش نظر یہ تھا کہ اس طرح یہ لوگ جان بچانے کے لیے سازش کا اعتراف
کر لیں گے اور وہ ڈرامائی اثر کا فائدہ سوجھنے کا جو شکست کھاتے ہی ان کے سجدے میں گر کر ایمان لے آنے سے ان
ہزار ہا ناظرین پر قریب ہوتا تھا جو خود اس کی دعوت پر فیصلہ کن مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے اور جنہیں
خود اس کے بچھے ہوئے لوگوں نے یہ خیال دلایا تھا کہ مصری قوم کا دین و ایمان بس ان جادو گروں کے ہمارے
ٹک رہا ہے، یہ کامیاب ہوں تو قوم اپنے دینِ آبائی پر قائم رہ سکے گی ورنہ موسیٰ کی دعوت کا سیلاب اُسے

پہم نے موسیٰ کو وہی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا چچا کیا جا بیگا
اور اس کے ساتھ فرعون کی سلطنت کو بھی بہا لے جائے گا۔

یعنی میں اپنے رب کی طرف پلٹنا تو بہر حال ایک نایک دن ضرور ہے۔ اب اگر تو قتل کرو گی تو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو گا کہ وہ دن جو بھی آتا تھا، آج آجائے گا۔ اس صورت میں ڈرنے کا کیا سوال۔ ہمیں تو الٰہی مغفرت اور خطا بخشگی کی امید ہے کیونکہ آج اس جگہ حقیقت کھلتے ہی ہم نے مان لینے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہ کی اور اس پر جمع میں سب سے پہلے پیش قدمی کر کے ہم ایمان لے آئے۔ جادو گروں کے اس جوائے دو بائیں نام اس خلقت کے نئے واضح کر دیں جسے فرعون نے ڈھنڈو سے پیٹ کر جمع کیا تھا۔

اول یہ کہ فرعون نہایت جھوٹا، مہٹ اور مکار ہے۔ جو مقابلہ اس نے خود نیپیلے کے لیے کر لیا تھا اس میں موسیٰ علیہ السلام کی کھلی کھلی فتح کو سیدھی طرح مان لینے کے بجائے اب اس نے خود ایک جھوٹی سازش کا افسانہ گھڑ لیا اور قتل و تعذیب کی دھمکی دے کر زبردستی اس کا اقرار کرانے کی کوشش کی۔ اس افسانے میں ذرہ برابر بھی کوئی صداقت ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ جادو گر ہاتھ پاؤں کٹوانے اور رسولی پر چڑھ جانے کے لیے یوں تیار ہو جاتے۔ ایسی کسی سازش سے اگر کوئی سلطنت مل جانے کا لالچ تھا تو اب اس کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کیونکہ سلطنت کے فرے تو جو لٹے گا سولہ لٹے گا، ان غریبوں کے حصے میں تو صرف کٹ کٹ کر جان دینا ہی رہ گیا ہے۔ اس ہولناک خطرے کو اگیز کر کے بھی ان جادو گروں کا اپنے ایمان پر قائم رہنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سازش کا الزام سراسر جھوٹا ہے اور سچی بات یہی ہے کہ جادو گر اپنے فن میں ماہر ہونے کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک جان گئے ہیں کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا ہے وہ ہرگز جادو نہیں ہے بلکہ واتسمی اللہ رب العالمین ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوسری بات جو اس وقت ملک کے گوشے گوشے سے سمٹ کر آئے ہوئے ہزار ہا آدمیوں کے سامنے کھل کر آگئی وہ یہ تھی کہ اللہ رب العالمین پر ایمان لانے ہی ان جادو گروں میں کیسا زبردست اخلاقی انقلاب واقع ہو گیا۔ کہاں تو ان کی پستی ذہن و فکر کا یہ حال تھا کہ دینِ آباؤی کی نصرت کے لیے آئے تھے اور فرعون کے آگے ہاتھ جوڑ کر انعام مانگ رہے تھے، اور کہاں اب ان کی آن میں ان کی غلبہ دہی ہمت و غم اس درجے کو پہنچ

اس پر فرعون نے (فرویں جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیج دیئے (اور کہا بھیجا) کہ یہ کچھ مٹی بھر گئی کہ وہی فرعون ان کی نگاہ میں ہیچ ہو گیا، اس کی بادشاہی کی ساری طاقت کو انہوں نے ٹھوکر مار دی، اور اپنے ایمان کی خاطر وہ موت اور بدترین جہاننی تعذیب تک برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر مصریوں کے دینِ شرک کی تبدیل اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دینِ حق کی موثر تبلیغ اس نازک نفسیاتی موقع پر شاید ہی کوئی اور ہو سکتی تھی۔

۱۷ اور پر کے واقعات کے بعد ہجرت کا ذکر شروع ہو جانے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس کے بعد بس فوراً ہی حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل سمیت مصر سے نکل جانے کے احکام دے دیئے گئے۔ دراصل یہاں کسی سال کی تاریخ ہیچ میں چھوڑ دی گئی ہے جسے سورہ اعراف رکوع ۱۵-۱۶، اور سورہ یونس رکوع ۹ میں بیان کیا جا چکا ہے، اور جس کا ایک حصہ آگے سورہ مومن رکوع ۲-۵ میں آ رہا ہے۔ یہاں چونکہ سلسلہ کلام کی مناسبت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جس فرعون نے صریح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود یہ سبٹ دھرمی دکھائی تھی اس کا انجام آخر کار کیا ہوا، اور جس دعوت کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت تھی وہ کس طرح کامیابی سے جھکنار ہوئی، اس لیے فرعون اور حضرت موسیٰ کی گفتگو کے ابتدائی مرحلے کا ذکر کرنے کے بعد اب قصہ مختصر کر کے اس کا آخری منظر دکھایا جا رہا ہے۔

۱۸ واضح رہے کہ بنی اسرائیل کی آبادی مصر میں کسی ایک جگہ مجتمع نہ تھی بلکہ ملک کے تمام شہروں اور سینٹیوں میں بٹی ہوئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ مفسس سے لے کر عیس تک اس علاقے میں ان کی بڑی تعداد آباد تھی جسے جشن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا (ملاحظہ ہو نقشہ سفر حج بنی اسرائیل، تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۶) لہذا حضرت موسیٰ کو جب حکم دیا گیا ہوگا کہ اب تمہیں بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل جانا ہے تو انہوں نے بنی اسرائیل کی تمام بستٹیوں میں ہدایات ہیچ دی ہوئی کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ہجرت کے لیے تیار ہو جائیں، اور ایک خاص رات مقرر کر دی ہوگی کہ اس رات ہر بستٹی کے مہاجرین نکل کھڑے ہوں۔ یہ ارشاد کہ ”تمہارا ہیچا کیا جائیگا؟ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہجرت کے لیے رات کو نکلنے کی ہدایت کیوں کی گئی تھی یعنی قبل اس کے کہ فرعون لشکرے کہ تمہارے نعائب میں نکلے۔ تم راتوں رات اپنا راستہ اس حد تک طے کر لو کہ اس سے بہت آگے نکل چکے ہو۔

لوگ ہیں، اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے، اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چرکنا رہنا ہے۔“ اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور حشموں اور ترخانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال گئے۔

شہ یہ باتیں فرعون کی اُس چھپی ہوئی خوف زدگی کو ظاہر کرتی ہیں جس پر وہ بے خوفی کا نام لاشی پر وہ ڈال رہا تھا۔ ایک طرف وہ جگہ جگہ سے فوجیں بھی فوری امداد کے لیے بلارہا تھا جو اس بات کی کھلی علامت تھی کہ اسے بنی اسرائیل سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ دوسری طرف وہ اس بات کو چھپانا بھی چاہتا تھا کہ مدتہائے دراز کی دہلی ابدیسی ہوئی قوم جو انتہائی ذلت کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی، اس سے فرعون جیسا قابو فرمانروا کوئی خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ اسے فوری امداد کے لیے فوجیں طلب کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے۔ اس لیے وہ اپنا پیغام اس انداز میں بھیجتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل بیچارے چیز سی کیا ہیں، کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں جو ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے، لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں کی ہیں کہ ہمیں ان پر غصہ آگیا ہے اس لیے ہم انہیں سزا دینا چاہتے ہیں، اور فوجیں ہم کسی خوف کی وجہ سے جمع نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ صرف ایک احتیاطی کارروائی ہے، ہماری دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی بعید سے بعید بھی امکانی خطرہ ہو تو ہم بروقت اس کی سرکوبی کرنے کے لیے تیار رہیں۔

۹ یعنی فرعون نے تو یہ کام اپنے نزدیک بڑی عقلمندی کا کیا تھا کہ دوسرے فوجیں طلب کر کے بنی اسرائیل کو دنیا سے مٹا دینے کا سامان کیا، لیکن خدائی تدبیر نے اُس کی چال اس پر یوں ہلٹادی کہ دولت فرعونیکے بڑے بڑے ستون اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر اس جگہ جا پہنچے جہاں انہیں اور ان کے سارے لاڈ لشکر کو ایک ساتھ فرق ہونا تھا۔ اگر وہ بنی اسرائیل کا پیچھا نہ کرتے تو نتیجہ صرف اتنا ہی ہوتا کہ ایک قوم ملک چھوڑ کر نکل جاتی اس سے بڑھ کر ان کا کوئی نقصان نہ ہوتا اور وہ حسب سابق اپنے عیش کدوں میں بیٹھے زندگی کے فرے لوٹتے رہتے۔ لیکن انہوں نے کمال درجہ کی ہوشیاری دکھانے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کو بخیریت نہ گزر جانے دیں بلکہ ان کے ہاتھ جرقوں پر یکبارگی حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے ان کا قلع قمع کریں۔ اس غرض کے لیے ان کے شہزادے اور بڑے بڑے سردار اور اعیان سلطنت خود بادشاہ ذی جاہ سمیت اپنے محلوں سے نکل آئے، اور اسی دانائی نے یہ دوہرا نتیجہ دکھایا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکل بھی گئے اور مصر کی ظالم فرعونی سلطنت کا کھن نذر دریا بھی ہو گیا۔

یہ تو ہوا ان کے ساتھ، اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب پیغمبروں کا وارث کر دیا۔

نہ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ بن باغوں، چشموں، نخرانوں اور بہترین قیام گاہوں سے یہ ظالم لوگ نکلے تھے انہی کا وارث اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کر دیا۔ یہ مطلب اگر لیا جائے تو اس کے معنی یوں ہونے چاہئیں کہ فرعون کے غرق ہو جانے پر بنی اسرائیل پھر مصر واپس پہنچ گئے ہوں اور آل فرعون کی جگہ انہوں نے لے لی ہو لیکن یہ چیز تاریخ سے بھی ثابت نہیں ہے اور خود قرآن مجید کی تصریحات سے بھی اس آیت کا یہ مفہوم مطابقت نہیں رکھتا۔ سورہ بقرہ، سورہ مائدہ، سورہ اعراف اور سورہ طہ میں جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل مصر کی طرف پٹننے کے بجائے اپنی منزل مقصود (فلسطین) ہی کی طرف آگے روانہ ہو گئے اور پھر حضرت داؤد کے زمانے تک ان کی تاریخ میں جو واقعات بھی پیش آئے وہ سب اس علاقے میں پیش آئے جو آج جزیرہ نمائے سینا، شمالی عرب، شرق اردن اور فلسطین کے ناموں سے موسوم ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک آیت کا صحیح مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہی باغ اور چشمے اور نخرانے اور محلات بنی اسرائیل کو بخش دئے جن سے فرعون اور اس کی قوم کے سردار اور اراکین نکلے گئے تھے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آل فرعون کو ان نعمتوں سے محروم کیا اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو وہی نعمتیں عطا فرمادیں یعنی وہ فلسطین کی سرزمین میں باغوں، چشموں، نخرانوں اور عمدہ قیام گاہوں کے مالک ہوئے۔ اسی مفہوم کی تائید سورہ اعراف کی یہ آیت کرتی ہے:

فَاَنْتَقَمْنَا مِنْكُمْ نَارًا وَاَعْرَضْنَا فِي الْيَمِّ بَابَهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاَكْفَرُوا بِهَا غَافِلِينَ وَاَوْسَيْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يَسْتَضَعُونَ سَنَابِقَ الْأَرْضِ وَاَعْرَضْنَا الَّتِي بَدَلْنَا فِيهَا (رکوع ۱۶) تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پروا ہو گئے تھے۔ اور ان کے بجائے ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ یہ برکتوں سے مالا مال زمین کا استعارہ قرآن مجید میں عموماً فلسطین ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کسی علاقے کا نام ایسے بغیر جب اس کی یہ صفت بیان کی جاتی ہے تو اس سے یہی علاقہ مراد ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا اِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ۔ اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا وَتَجِدْنَهُ ذُو طَائِرٍ إِلَى الْأَرْضِ

صبح ہوتے یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمناسا منا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی پیچ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے، موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا، ہم نے موسیٰ کو وحی کی "مارا پنا عصاصمندر پرہ" یکایک سمندر چھٹ گیا اور اس کا ہڑکڑا ایک عظیم نشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب آئے۔ موسیٰ اَلَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ۔ اور وَلَسَكِنَّ الْرَبِّحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا۔ اسی طرح سورہ سبا میں بھی اَلَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا کے الفاظ سرزمین شام و فلسطین ہی کی بستیوں کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔

یعنی مجھے اس آفت سے بچنے کی راہ بتائے گا۔

۱۔ اصل الفاظ ہیں کالطود العظیم۔ طود عربی زبان میں کہتے ہی بڑے پہاڑ کو میں۔ لسان العرب میں ہے الطود، الجبل العظیم۔ اس کے لیے پھر عظیم کی صفت لانے کے معنی یہ ہوتے کہ پانی دونوں طرف بہت اونچے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ کام ایک طرف نبی اسرائیل کے پورے قافلے کو گرانے کے لیے کیا گیا تھا اور دوسری طرف اس سے مقصود فرعون کے لشکر کو غرق کرنا تھا، تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پانی ان نہایت بلند پہاڑوں کی شکل میں اتنی دیر تک کھڑا رہا کہ ہزاروں ملاکوں نبی اسرائیل کا ہاجر قافلہ اس میں سے گزر بھی گیا اور پھر فرعون کا پورا لشکر ان کے درمیان پہنچ بھی گیا۔ ظاہر ہے کہ عام قانونِ فطرت کے تحت جو طوفانی ہوا میں چلتی ہیں وہ خواہ کیسی ہی تند ذیر ہوں، ان کے اثر سے کبھی سمندر کا پانی اس طرح عالی شان پہاڑوں کی طرح اتنی دیر تک کھڑا نہیں رہا کرتا۔ اس پر فرید سورہ طہ کا یہ بیان ہے کہ فَاصْبِرْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ رَيْبًا، ان کے لیے سمندر میں سوکھا راستہ بنا دے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سمندر پر عصا مارنے سے صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ سمندر کا پانی مٹ کر دونوں طرف پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا، بلکہ بیچ میں جو راستہ نکلا وہ خشک بھی ہو گیا، کوئی کیچڑ ایسی نہ رہی جو چلنے میں مانع ہوتی۔ یہ عرصہ ایک معجزے کا بیان ہے اور اس سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے جو اس واقعے کی تعبیر عام قوانینِ فطرت کے تحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (فرید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن جلد سوم صفحہ ۸۔ تا ۱۱۱)

اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے، ہم نے بچالیا، اور دوسروں کو غرق کر دیا۔
اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، مگر ان لوگوں میں سے اکثر انہی کے لئے نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے
کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی ہے

۳۱ یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو۔

۳۲ یعنی قریش کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ ہٹ دھرم لوگ کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی کس طرح ایمان لانے سے انکار ہی کیے جاتے ہیں اور پھر اس ہٹ دھرمی کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے تمام سرداروں اور بزرگواروں کی آنکھوں پر ایسی ٹپ بنی ہوئی تھی کہ ساہا سائی تک جو نشانیاں ان کو دکھائی جاتی رہیں ان کو توجہ نظر انداز کرتے ہی رہے تھے، آخر میں عین غرق ہونے کے وقت بھی ان کو یہ نہ سوجھا کہ سمندر اس قافلے کے لیے پھٹ گیا ہے، پانی پہاڑوں کی طرح دونوں طرف کھڑا ہے اور بیچ میں سوکھی ٹرک سی بنی ہوئی ہے۔ یہ صریح علامتیں دیکھ کر بھی ان کو عقل نہ آئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنائی طاقت کا کمزوری ہے اور وہ اس طاقت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ ہوش ان کو آیا بھی تو اس وقت جب پانی نے دونوں طرف سے ان کو دبوچ لیا تھا اور وہ خدا کے غضب میں گھر چکے تھے۔ اس وقت فرعون سوچ اٹھا کہ اَمَنْتُ اِنَّهٗ لَرَاٰلِهٖ اِلَّا اَلنَّبِیُّ اَمَنْتُ بِهٖ یَتَوَلَّوْا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس: رکوع ۹)۔

دوسری طرف اہل ایمان کے لیے بھی اس میں یہ نشانی ہے کہ ظلم اور اس کی طاقتیں خواہ بظاہر کسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں، آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا یوں بول بالا ہوتا ہے اور باطل اس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔

(یعنی اشارات) ایک زبردست انقلابی طاقت بن کر اٹھیں گے۔ اُس وقت ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے غیر مسلم اقوام کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا، بلکہ خود غیر مسلم اقوام اپنے معاملات کا تصفیہ کرنے کے لیے ہماری طرف رجوع کریں گی۔ ہم انشاء اللہ دنیا کی ایک بہت بڑی اخلاقی قوت ہوں گے جس سے پوری انسانیت کو امن و سکون حاصل ہوگا۔